مولانا شبلی نعمانی کی محققانہ کاوشیں

ڈاکٹر الماس خانم، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Sir Syed Ahmad Khan's era has importance in lives of Muslims of Subcontinent.Sir syed played a key role in all fields of lives of muslims.He with his companions Moulana Hali,Molana shibli,Muhammad Husain azad and Molvi Nazeer Ahmad also enriched the Urdu Literature.They played effective role to promote Urdu research.The aim of this article is to highlight the efforts of Shibli Noumani in the field of research.The other purpose of this article is to highlight the research methodology used by Shibli Noumani.

انیسویں صدی مسلمانانِ برصغیر کی زندگیوں میں خاص اہمیت کی حامل ہے' اسی صدی میں مسلمان اپنے منطقی انجام اور زوال سے دوچار ہوئے اور اسی صدی میں ہی ان کے اندر بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ برصغیر میں مسلمانوں نے کم و بیش ایک ہزار سال تک شان و شوکت سے حکومت کی اور ان کے عہد حکومت میں علوم و فنون کی ایسی شاندار ترقی ہوئی جس کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ خاص طور پر مغلوں کے ابتدائی عہد میں تہذیب و تمدن کو بے مثال عروج حاصل ہوا لیکن بہت کم عرصہ میں یہ عروج زوال میں تبدیل ہو گیا۔ بقول ڈاکٹر عبدالقیوم:

> ''مغلوں کے زمانے میں تہذیب اور تمدن کو جو ترقی حاصل ہوئی، وہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک زریں باب کی حیثیت رکھتی ہے لیکن جن بادشاہوں نے اپنے تدبر' حسن انتظام اور غیر معمولی جرات اور فراست سے کام لے کر اس تہذیب کی آبیاری کی تھی، اس کی شادابی نکمے بادشاہوں اور نااہل جانشینوں کے سبب قائم نہ رہ سکی بلکہ مدت سے سوئے ہوئے فتنوں نے سر اٹھایا اور مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام تخریب پسند قوتیں جمع ہو گئیں' خاص کر مرہٹوں' جاٹوں اور روہیلوں نے بڑا زور پکڑا اور مرکزی حکومت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ امراء میں بھی وہ وقار باقی نہ رہا، وہ کاہل' آرام طلب اور خودغرض ہو گئے اور آخرکار یہ

وبا اس قدر بڑھی کہ آپس میں وہ اس شدت سے متصادم ہوئے کہ پھر نہ سنبھل سکے۔ وہ اپنے زوال کے ساتھ ساتھ ایسا مواد فاسد بھی چھوڑ گئے جس نے پوری تہذیبی زندگی کو سڑا دیا' سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا اور اخلاقی قدروں کو تباہ کر ڈالا' احساس شعور کو ختم کر کے زندگی کو اعلیٰ قدروں سے محروم کر دیا''۔(۱)

مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی اور بالآخر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ایک ایسے زوال سے دوچار ہوئے جس نے ان کی تہذیبی' تعلیمی' سیاسی' مذہبی' تمدنی اور ادبی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ مسلمانوں کے زوال کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، ان میں سے ایک سبب ان کی مذہب سے دُوری اور حق گوئی سے اجتناب تھا۔ مغلوں کی آمریت نے ایک ایسی فضا قائم کر دی تھی کہ مجدد الف ثانی کو بھی کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں بادشاہِ وقت کے ظلم وعتاب کا نشانہ بننا پڑا۔ ایسے میں ایک عام آدمی' ادیب یا مؤرخ سے سچائی اور حقیقت کے انکشاف کی توقع کیسے ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عہد سرسید سے قبل کے ادب کا جائزہ لیں تو ہمیں شاعری اپنے ارتقا کی منازل بڑی تیزی سے طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور ادب کی دیگر اصناف بھی پنپتی ہوئی ملتی ہیں لیکن ان سب کے مقابلے میں محققانہ فکر اور انداز کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے اسی وجہ سے عہد سرسید سے قبل کوئی باقاعدہ تحقیقی کاوش نظر نہیں آتی۔ تحقیق کا مادہ مسلمانوں کی گھٹی میں موجود تھا، انہوں نے خاص طور سے سیرت النبیؐ کے بیان اور احادیث کی جمع آوری میں ایسی محققانہ روایات قائم کی تھیں جن پر بعد میں اہل مغرب نے تحقیق کے قصر تعمیر کئے اور جدید اصول تحقیق کی بنیادیں رکھیں۔ محققانہ مزاج جو کہ مسلمانوں کا قیمتی ورثہ تھا' وہ باید و شاید ہی نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کے ذہنی انتشار اور پراگندہ خیالی نے انہیں تحقیق سے کوسوں دُور کر ڈالا تھا۔ ان میں روایت پرستی اس حد تک سرایت کر گئی تھی کہ بقول سرسید احمد خاں ''جس بات کو منع کرو' کہتے ہیں: مذہباً جائز ہے اور جسے کرنے کو کہو، کہتے ہیں کہ مذہباً ناجائز ہے''

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان جن خطرات سے دوچار ہوئے۔ ان خطرات میں سے ایک خطرہ ان کے مذہب کو لاحق تھا، ایک تو مسلمان خود مذہب سے دُور ہو چکے تھے' دوسرے ہندوؤں سے میل جول کی وجہ سے ان پر غیر اسلامی رنگ چڑھ گیا تھا اور تیسرے عیسائی مبلغین بڑی تیزی سے مسلمانوں کے مذہب پر ضرب لگانے کے درپے تھے۔ ان حالات میں مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ' سید احمد بریلوی وغیرہ کی مذہبی تحریکوں اور جرأتوں سے مسلمانوں میں کسی قدر بیداری کے آثار پیدا ہو گئے تھے خاص طور سے مذہب کے دفاع اور حفاظت کیلئے تحریری کاوشیں بھی منظر عام پر آ رہی تھیں اسی لئے مذہب کے معاملے میں کسی حد تک تحقیقی مزاج پختہ تھا۔

مذہب کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کو تین بڑی مشکلیں درپیش تھیں، اول ماضی کی بندشوں

سے نکل کر نئے حالات کے قبول کرنے کیلئے لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کرنا' انگریزوں کا اعتماد حاصل کرنا اور پھر ہمسایہ قوموں کے ساتھ مقابلے میں شریک ہونا (۲)۔ڈاکٹر سید عبداللہ عہدِ سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ صدی جس میں سرسید احمد خان ظہور میں آئے اور کتابیں لکھیں' بڑی آویزش کی صدی تھی، یہ آویزش تمام دنیا میں تھی۔ یہ صدی شدید پیکار(Conflict) کی صدی ہے جس میں عقیدہ' عقیدے سے لڑائی لڑتا ہے اور رجحانات' رجحانات سے دست و گریباں ہیں۔ معاشرہ' معاشرے سے اور مغرب' مشرق سے برسر پیکار ہے۔عقل و مذہب' سائنس و مذہب' روایت' انقلاب اور جدت کے درمیان آویزش جاری ہے۔ ہندوستان کے اندر خاص طور پر بین المذاہب کش مکش' عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذہبی کشمکش' مسلمانوں' ہندوؤں اور ان کے اندرونی فرقوں کی کشمکش' وہابی' سنی' آریہ سناتن' دھرم' برہمو سماج وغیرہ میں کشمکش اور صرف یہی نہیں بلکہ معاشی اعتبار سے بھی یہ صدی کشمکش کی صدی ہے۔(۳)

یہی وہ دور تھا جب سرسید احمد خان اور ان کے رفقا نے اردو تحقیق کی مستحکم بنیاد رکھی۔روایت پرستی اور اندھی تقلید کو ترک کر کے تحقیق کا دامن تھاما۔سرسید اور ان کے رفقا خاص طور سے الطاف حسین حالی اور مولانا شبلی نعمانی نے نہ صرف تحقیق کی ساکھ کو بحال کیا بلکہ آنے والے محققین کے لیے عمدہ نمونے بھی چھوڑے ۔سرسید اور ان کے ساتھیوں کی بہ نسبت شبلی میں محققانہ بصیرت بدرجہ اتم موجود تھی اور انہوں نے اردو ادب کو تحقیق کی شاہراہ پر گامزن کرنے میں اہم کردار بھی ادا کیا۔شبلی نے کثیر تصنیفی سرمایہ چھوڑا لیکن یہاں شبلی کی وہی کتب زیر بحث لائی جائیں گی جو ہمارے موضوع سے علاقہ رکھتی ہیں۔شبلی کا نثری سرمایہ زیادہ تر تاریخ نویسی سے تعلق رکھتا ہے۔شبلی کسی بات کو تحقیق، تدقیق اور تعدیل کے بغیر نہیں مانتے، ان کا کہنا ہے کہ تاریخ نویسی کیلئے یہ دونوں چیزیں جزوِ ایمان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ (۴) شبلی کا میدان تاریخ ہے ان کے اہم کارنامے المامون' النعمان' الفاروق' الغزالی' سوانح مولانا روم' اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر' بدء السلام اور سیرۃ النبیؐ ہیں۔اس کے علاوہ آپ کے مقالات کا موضوع بھی تاریخ ہے اور ان میں بھی آپ کا محققانہ شعور پوری آب و تاب سے ظاہر ہوا ہے۔

شبلی کی محققانہ و مورخانہ کاوشوں کا جائزہ لیں تو ان کی تمام تر کاوش مدلل نظر آتی ہے۔ وہ جو بات کہتے اور لکھتے ہیں' اسے دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔شبلی مذہبی ماحول کی پیداوار تھے۔اوائل عمری ہی میں انہوں نے فارسی' ہندسہ' منطق' فلسفہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔شبلی کے تاریخی ذوق کی نمو میں علی گڑھ کالج اور سرسید احمد خان کے کتب خانے میں موجود کتابوں نے اہم کردار ادا کیا۔یہیں ان کے ذوق تحقیق کی بھی نمو ہوئی۔مغربی مصنفین کی کتب تک رسائی ممکن ہوئی جس سے ان کی وسعت فکر و نظر میں اضافہ بھی ہوا اور مغربی مورخین کے تصور تاریخ سے آگاہی بھی ہوئی جس کا اثر ان کی بعد کی تحریروں میں نمایاں ہے۔شبلی تصورِ

تاریخ میں جن مغربی مصنفین سے متاثر ہوئے ہیں، ان میں کارلائل، گبن، بکل اور رینکی کے نام خاص امتیاز رکھتے ہیں(۵)۔ ان کی پہلی محققانہ کاوش المامون (۱۸۸۹ء) ہے۔ مامون الرشید سے شبلی کو خاص عقیدت تھی۔ اس سوانح میں شبلی نے مامون الرشید کے عہد کو بھی زندہ کر دیا ہے۔ انہوں نے جو حالات و واقعات لکھے ہیں، ان کو اسناد کے ساتھ درج کیا ہے۔''المامون'' لکھنے میں شبلی نے سخت محنت کی اور محققانہ دیانتداری کا ثبوت دیا ہے اور مامون الرشید کے مثبت اور منفی دونوں پہلو اجاگر کئے ہیں اور غیر جانبداری کا ثبوت دیا ہے جو بات بھی کہی اس کا حوالہ دیا ہے۔ شبلی کی اس محققانہ کاوش کو دادِ تحسین دیتے ہوئے سرسید احمد خان اس کے دیباچے میں رقمطراز ہیں:

> ''اس قدر جزئیات کو تلاش کرنا اور نظم اسلوب سے ایک جگہ جمع کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ مصنف نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس کا حوالہ کسی معتبر ماخذ سے نہ دیا ہو۔ ہر ایک جزوی بات پر بھی اس کتاب کا جس سے وہ بات لی گئی حوالہ دیا، اس کے حاشیوں پر جس قدر کتابوں کے حوالے ہیں ان کو دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں کس قدر جانکاہی ہوئی ہو گی اور مصنف کو کتنے ہزاروں ورق تاریخوں کے الٹنے پڑے ہوں گے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ مصنف نے ان جزئیات کو ایسی کتابوں سے تلاش کر کے نکالا ہے جن کی نسبت خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ ان میں مامون کے حالات ہوں گے تو اس محنت کی وقعت اور قدر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے''۔(۶)

سرسید کے اس بیان سے جہاں شبلی کی محققانہ کاوشوں پر روشنی پڑتی ہے، وہیں سرسید احمد خان کی محققانہ بصیرت اور فہم کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ سرسید کو ماخذات کی اہمیت اور حوالہ جات کی افادیت کا شدت سے احساس تھا اسی لئے انہوں نے شبلی کی محققانہ کاوش کو سراہا ہے جس سے تحقیق میں ماخذات اور حوالہ جات کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔''المامون'' کے صرف دو سال بعد ۱۸۹۱ء میں ''النعمان'' بھی منظرعام پر آ گئی۔ اس میں شبلی نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حالات زندگی اور عہد کو تحقیق سے اجاگر کیا ہے۔ اس کتاب کے بھی دو حصے ہیں۔''النعمان'' سے قبل بھی مختلف زبانوں میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سوانح عمریاں لکھی گئی تھیں، شبلی نے ضروری سمجھا کہ اردو میں بھی ان کی سوانح عمری لکھی جائے۔ شبلی نے اس کتاب کے لکھنے میں بھی تحقیق و تدقیق سے کام لیا۔ شبلی نے ''النعمان'' کے دیباچے میں قریباً ۲۷ کتب کی فہرست دی ہے جو کہ ''حضرت امام ابوحنیفہؓ'' کی زندگی پر لکھی گئی ہیں۔ دیباچے میں شبلی نے ان ماخذات کا ذکر بھی کیا ہے جن سے انہوں نے مکمل استفادہ کیا یا جو ان کی نظر سے گزری ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تاریخ اسلام کی اہم ترین شخصیت ہیں، ان کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ شبلی نے ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو تحقیق سے بیان کیا ہے اور اس کیلئے حتیٰ الامکان ماخذات تک رسائی کی کوشش کی ہے۔ شبلی ''النعمان'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں، میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں۔ ان میں وہ شہادتیں کافی سمجھی ہیں جو عام مؤرخوں کے نزدیک مسلم ہیں، جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے، اس میں زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام تر ان اصولوں سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار ودرایت کیلئے قرار دیئے ہیں...... عام تاریخی واقعات میں گوروا ۃ حدیث کی طرح بال کی کھال نہیں نکالی گئی ہے تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں لکھا جس کی سند موجود نہ ہو، ساتھ ہی اس کا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گزری ہو کیونکہ نقل در نقل ہو کر اکثر روایتیں اپنی حالت پر قائم نہیں رہتیں''۔(۷)

شبلی نے منطق، فلسفہ اور حدیث کی جو تعلیم حاصل کی، اس نے شبلی کے تحقیقی شعور کو جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مسلمانوں نے احادیث کی جمع آوری اور سیرت النبیؐ کے بیان میں تحقیق کے جو اصول اپنائے اور روایت و درایت کا جو طریقہ استعمال کیا، وہ مغرب کے محققین کیلئے بھی مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کی تحقیق کی عمارت بھی مسلمانوں کی فراہم کردہ تحقیق کی بنیادوں پر استوار ہوئی ہے۔ شبلی نے بڑی مہارت سے تحقیق کے مشرقی ومغربی اصولوں کو برتا ہے اور اس کی زندہ مثال ''النعمان'' ہے۔ محمد واصل عثمانی کے الفاظ میں:

''امام صاحب کی سوانح کا احاطہ کرنا تحقیق و تدقیق کے ساتھ صرف شبلی کی جواں ہمتی کا کارنامہ تھا جس میں حالاتِ زندگی، اخلاق و عادات، ذکر وعبادات، تصنیفات، فقہ اور علم کلام اور ان کے تلامذہ اور اس زمانے کے فقہا کا تذکرہ ہے''۔(۸)

شبلی کا ایک اہم ترین اور نمایاں تحقیقی کارنامہ ''الفاروق'' ہے۔ اس میں شبلی ایک کامیاب ترین محقق کی صورت جلوہ گر ہوتے ہیں۔ مہدی افادی لکھتے ہیں:

''یہ عمروں کی کمائی ہے بڑی کاوش و اہتمام سے سالہا سال کی مؤرخانہ تلاش اور تدقیق کے بعد ناموران اسلام کے سلسلہ میں خلیفہ دوم (حضرت عمرؓ) کی لائف پر یہ ضخیم تالیف تیار کی گئی ہے۔ مؤرخ نے محض تحقیق واقعہ کیلئے ممالک غیر یعنی ترکی و مصر وغیرہ کے مصائب سفر برداشت کئے، سینکڑوں قدیم و نایاب تاریخوں کے ہزاروں ورق الٹنے پڑے اور جہاں تک دسترس تھا، اصلی ماخذ کی چھان بین میں یورپ کا تاریخی سرمایہ بھی بچنے نہیں پایا''۔(۹)

مفتون احمد کے بقول:

''روم ومصر وشام کا سفر ایک ہندی عالم کا وہ پہلا سفر تھا جو خالص تحقیقی کام کی غرض سے غیر ممالک میں کیا گیا''۔(۱۰)

''الفاروق'' ۱۸۹۹ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ''النعمان'' اور ''الفاروق'' کا درمیانی وقفہ قریباً ۸ سال

ہے۔ ۸سال کے عرصہ میں شبلی نے بحیثیت مؤرخ، سوانح نگار اور محقق کئی قدم آگے بڑھا لئے تھے، اب ان کی فکر اور مطالعہ مزید وسعت اختیار کر گئے تھے۔ دو سوانح عمریاں لکھنے کے بعد اب ان کا ذوق تحقیق مزید نمو پا گیا تھا اور اسی ذوق کی تسکین کیلئے انہوں نے دیارِ غیر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ''الفاروق'' بھی ان کی دیگر سوانح عمریوں کی طرح دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں حضرت عمر فاروقؓ کے حالات زندگی کا بیان ہے اور دوسرے حصہ میں ان کے طرزِ حکومت عہد خلافت کے حالات اور تمدنی و معاشرتی حالات کا ذکر ہے۔ اس کتاب کے لکھنے میں شبلی نے سخت محنت کی۔ تمام ممکنہ ماخذات تک رسائی کیلئے سخت کاوش کی۔ ''الفاروق'' کیلئے شبلی نے جن کتب کا مطالعہ کیا ان کتب میں طبقات ابن سعد، سیرۃ العمر بن امام جوزی، انتساب الاشراف بلا زری، اخبار القضاۃ، محمد بن خلف اور محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کے حوالے ''الفاروق'' میں موجود ہیں۔(۱۱)

انگریز مؤرخین تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہے تھے، ان کے نزدیک مسلمان جاہل اور ظالم قوم تھے، خاص طور پر سرسید کے عہد میں انگریز پادریوں اور انگریز مصنفین کی اسلام دشمن کارروائیوں میں اضافہ ہو گیا تھا ایسے میں لازم تھا کہ کوئی مسلمان آگے بڑھے اور غیر مسلموں کے رقیق حملوں کے سامنے ڈھال بن جائے۔ شبلی ڈھال بن کے آگے بڑھے۔ انہوں نے انگریزوں کے ہر وار کو اس مستعدی اور جانفشانی سے روکا کہ انگریز بھی دنگ رہ گئے ہوں گے۔ شبلی کی ڈھال ان کا آئینہ تحقیق وتنقید ہے۔ وہ ہر بات کا جواب ایسے استدلال سے دیتے ہیں کہ دم مارنے کی گنجائش نہیں رہتی (۱۲)۔ ''الفاروق'' میں شبلی نے کہیں بھی استدلال کا دامن نہیں چھوڑا۔ چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تمام واقعات تاریخی صحت کے ساتھ پیش کئے ہیں اور ان کے بیان میں مکمل غیر جانبداری اور دیانتداری کا ثبوت دیا ہے۔ محمد واصل عثمانی ''الفاروق'' کی بابت لکھتے ہیں:

> ''الفاروق مولانا کی ایسی تصنیف ہے جس پر اگر مولانا کو خود فخر نہ بھی ہوتا تو سارے اُردو ادب کو فخر ضرور ہوتا۔ عمروں کی کمائی، تحقیق و تلاش کا نچوڑ، تاریخ و فلسفہ کا امتزاج اور انشاء پردازی کا آئینہ دار ان کا یہ شاہکار ہے۔ مولانا کی شہرت کو نقطہ عروج پر پہنچانے کیلئے یہی ایک تصنیف کافی تھی۔ سالہا سال کی عرق ریزی، جدوجہد اور سعی پیہم کا نچوڑ اگر دیکھنا ہو تو شبلی کی ''الفاروق'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ فکر و تخیل کی آمیزش دل و دماغ کی اپج مورخانہ اندازِ تحریر سب کچھ اس کتاب میں سمٹ آیا ہے''۔(۱۳)

شبلی کے محققانہ کارناموں میں ''الغزالی'' بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ان کے علم الکلام کا سنگِ میل ہے۔ شبلی اپنی دیگر تصانیف کی طرح الغزالی کو بھی اعلیٰ پائے کی محققانہ تصنیف بنانے کے خواہاں تھے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس میں ایک محقق شبلی کے بجائے ایک فلسفی شبلی ابھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں

حضرت امام کے ذہنی کارناموں پر خاص توجہ کی گئی ہے مگر جزئیات زندگی کم ہیں اور شخصیت کی تصویر نامکمل ہے۔ اس کی فضا گھٹی ہوئی اور 'بند' سی ہے۔(۱۴) شبلی محققانہ شعور کے مالک تھے، اس کی چند جھلکیاں 'الغزالی' میں بھی نظر آتی ہیں مثلاً کسی بات کو وہ تحقیقی مطالعے اور دلائل کے بغیر نہیں مانتے۔ علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ غزالہ طوس کے ایک گاؤں کا نام ہے' امام صاحب وہاں کے رہنے والے تھے اور اسی مناسبت سے غزالی کہلاتے ہیں۔شبلی نے جو یہ پڑھا تو انہیں تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی۔(۱۵) شبلی نے تحقیق سے مذکورہ بیان کو غلط قرار دیا لیکن بیشتر واقعات کے بیان میں تحقیقی سقم محسوس ہوتا ہے۔ اس میں فلسفیانہ مباحث نمایاں ہیں اور تحقیقی پہلو نسبتاً کمزور ہے۔

''سوانح مولانا روم'' (۱۹۰۴ء) بھی سلسلہ کلامیہ سے متعلق ہے۔(۱۶) دیگر کتب کی طرح یہ بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں مولانا روم کے حالاتِ زندگی اور اخلاق و عادات کا تفصیلی بیان ہے اور ''دوسرے حصے میں علم کلام' تصوف توحید' فلسفہ سائنس اور دیگر امور پر بحث کی گئی ہے۔شبلی نے اس میں بعض ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو خلافِ عقل معلوم ہوتے ہیں اور انہوں نے اس سلسلہ میں تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی، اسی طرح مولانا روم کا سوانحی حصہ بھی تحقیقی اعتبار سے کمزور ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ:

> ''اصل بات یہ ہے کہ مولانا روم کا سوانح کیلئے مستند مواد کی بڑی کمی ہے اسی لئے ان کی کوئی مفصل لائف شاید لکھی بھی نہ جاسکتی تھی''۔(۱۷)

شبلی، مولانا روم کی باقاعدہ اور مکمل سوانح لکھنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے تھے اسی لئے انہوں نے مولانا روم کی زندگی کے چند نمایاں پہلو ہی اجاگر کئے ہیں اور دیگر معلومات، حالات اور واقعات کی تحقیق کی طرف توجہ نہیں کی۔شبلی کی زندگی کا بیشتر حصہ تحقیق و تدقیق میں گزرا اور انہوں نے اسلامی تاریخ کو زندہ کرنے کیلئے ''رائل ہیروز آف اسلام'' یعنی ''نامور فرمانروایانِ اسلام'' کے جس سلسلے کا آغاز کیا، اسے انتہائی تحقیقی کاوش سے کامیابی سے ہمکنار بھی کیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اسلام کی نامور ہستیوں پر تو قلم اٹھاتے لیکن ''ہادیٔ اسلامؐ'' کی سیرتِ طیبہ کے بیان سے چشم پوشی کرتے؟ ان کی زندگی کا آخری مہتمم بالشان کارنامہ ''سیرۃ النبیؐ'' ہے۔ ''سیرۃ النبیؐ'' پر قلم اٹھانا ہرگز آسان کام نہیں تھا۔شبلی عرصہ دراز تک یہ جرأت کیوں نہ کر سکے، اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ اسلام کی حیثیت سے میرا فرض اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرتِ نبویؐ کی خدمت انجام دیتا لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں''۔(۱۸)

شبلی نے ان ضرورتوں کو بھی تفصیلاً بیان کیا ہے کہ ایک تو مسلمانوں کی عربی علوم سے ناواقفیت' دوسرے یورپی مؤرخین کی ہرزہ سرائی اور تیسرے یورپین کی زہرآلود معلومات کے مسلمانوں پر اثرات، ان سب کے باوجود اس موضوع پر قلم اٹھانا سب سے مشکل اَمر تھا لیکن شبلی نے اپنی محبت' خلوص' محققانہ بصیرت' مؤرخانہ اہلیت اور وسیع مطالعہ کے ذریعہ ''سیرۃ النبیؐ'' کا جتنا حصہ بھی لکھا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ تحقیق و تدقیق کی جس قدر ضرورت ''سیرۃ النبیؐ'' کے لکھنے میں تھی، شبلی اس سے بخوبی آگاہ تھے۔ لکھتے ہیں:

''ضروری تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے''۔(۱۹)

اس معاملہ میں شبلی نے جو کچھ کہا، اس پر عمل کر کے بھی دکھایا، اگرچہ وہ ''سیرۃ النبیؐ'' کی تکمیل نہ کر سکے اور صرف پہلی جلد ہی لکھنے پائے تھے کہ خالق حقیقی سے جا ملے لیکن انہوں نے سیرت کا جتنا حصہ بھی لکھا، اس کیلئے اپنی تمام تر محققانہ صلاحیتیں بروئے کار لانے میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ اختر وقار عظیم لکھتے ہیں:

''کتاب ابتداء سے لے کر انتہا تک تحقیق و تدقیق کے آئینے سے چمکائی گئی ہے، یورپی مؤرخوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا جواب اس عمدگی سے دیا گیا ہے کہ ان کے لگائے ہوئے بے بنیاد الزامات کی حقیقت واضح ہوگئی ہے''۔(۲۰)

عام مسلمانوں کی طرح شبلی جذباتیت کا شکار نہیں ہوئے اور سرسید کی طرح انہوں نے بھی تحقیق کے راستے کا انتخاب کر کے مسلمانوں کو نہ صرف عظیم الشان ماضی سے روشناس کرایا بلکہ یورپی مؤرخین کی ہرزہ سرائی کا جواب دلائل سے دیا ہے۔ شبلی اپنی زندگی میں ''سیرۃ النبیؐ'' کو اشاعت پذیر نہ دیکھ سکے، اس کی اشاعت کی ذمہ داری ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے بخوبی نبھائی اور تلاش و بسیار کے بعد شبلی کے مسودات میں سے ان کی ایک قلمزدہ تحریر ''مقدمہ'' کے طور پر شامل تصنیف کی۔ اس میں شبلی نے انتہائی محققانہ مہارت کے ساتھ درایت اور روایت کے اصولوں پر روشنی ڈالی ہے جو ان کی تحقیق کا نچوڑ ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''سیرۃ النبیؐ کا مقدمہ (الفاروق کے مقدمے کی طرح) اصول حدیث اور اصولِ سیرۃ پر اسلامی ادبوں میں لافانی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے فن پر تمام اردو ادب میں ایک وقیع ترین تحقیقی دستاویز ہے''۔(۲۱)

اس مقدمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی کے ذہن میں ''سیرۃ النبیؐ'' کا کیسا خاکہ موجود تھا اور یہ کہ وہ سیرت النبیؐ کی تاریخ اور سلسلے سے کس درجہ آگاہ تھے۔ انہوں نے روایت و درایت کے اصول بھی بیان کئے ہیں اور فن سیرت کے ارکان اور معتمد لوگوں کی تصنیفات کا مختصر نقشہ بھی درج کیا ہے۔ ان کتابوں کے بارے میں ان کو کہاں کہاں سے معلومات ملیں، حواشی میں ان کا ذکر بھی کیا ہے، جو کتب ناپید ہو چکی

ہیں، ان کا بھی بیان ہے اور جن کتب سے شبلی نے براہِ راست استفادہ کیا ہے ان کی تفصیل بھی دی ہے اور اسلامی اصول تحقیق کی بنیاد قرآنِ مجید کو قرار دیا ہے۔ اس طرح ''سیرۃ النبیؐ' ہر پہلو سے ان کا بلند ترین تحقیقی کارنامہ قرار پاتی ہے، یہ ایک مکمل اور جامع سیرت ہے۔''سیرۃ النبیؐ' میں شبلی ایک کامیاب محقق کے طور پر ابھرے ہیں۔ انہوں نے تحقیق کے تقاضے بڑی خوبی سے پورے کئے ہیں۔ ماخذات کا ذکر کیا ہے' کتابوں کے نام دیئے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر صفحات کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ تشریح کیلئے حواشی بھی درج کئے ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے اس کی اشاعت سے قبل اس کا ناقدانہ جائزہ لے کر اس پر محققانہ گرفت مضبوط کرنے کی سعی کی ہے۔ شبلی جامع الکمال شخصیت تھے۔ وہ مؤرخ' سوانح نگار اور بلند پایۂ محقق بھی تھے۔

سوانح عمریوں کی علاوہ شبلی نے بلند پایہ تحقیقی مقالات بھی تحریر کیے۔ ان کے مقالات میں اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر' جہانگیر' الجزیہ' کتب خانہ اسکندریہ اعلیٰ معیار کے تاریخی مقالے ہیں۔ ان مقالات میں بھی شبلی نے تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔ شبلی نے تحقیق و تدقیق کا آغاز مقالات اور تحقیقی مضامین ہی سے کیا۔ ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۸ء تک شبلی نے بے شمار تحقیقی مضامین لکھے، جن میں اسلامی شفاخانے، اسلامی کتب خانے، حقوق الذمین، مکلینکس اور مسلمان اور اسلامی مدارس وغیرہ خاص طور پر اہم ہیں۔ شبلی نے اہم ترین تحقیقی مضمون ۱۸۸۹ء میں ''الجزیہ'' کے نام سے لکھا۔ انگریز مؤرخین نے اسلام کی تاریخ کو ہر طرح سے مسخ کرنے کی کوشش کی، وہ غیر مسلم رعایا پر لگنے والے 'جزیہ' کو ایک ظالمانہ امر قرار دیتے تھے۔

شبلی نے تحقیق و تدقیق سے اپنے اس 'جزیہ' کی حقیقت اجاگر کر کے اس کے متعلق غلط نظریات کا خاتمہ کیا۔ اسی سلسلے کا ایک اور تحقیقی مضمون ''حقوق الذمین'' لکھا اور تحقیق سے یورپ کی غلط فہمی دُور کرنے کی کوشش کی۔ ان کا ایک اور اہم تحقیقی مقالہ ''کتب خانہ اسکندریہ'' (۱۸۹۲ء) ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے سخت محنت اور تحقیق سے اصل حقائق تک رسائی حاصل کی اور مؤرخین کی ایک اور غلط فہمی کو دُور کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا تھا کہ وہ علم اور کتابوں کے دشمن ہیں۔ مسلمانوں نے مصر فتح کرنے کے بعد اسکندریہ کے کتب خانے کو آگ لگا دی تھی۔ مولانا شبلی صحیح معنوں میں محقق اور مؤرخ تھے، انہوں نے تاریخی تحقیقات سے یہ ثابت کیا کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ مسلمانوں سے اسکندریہ کے کتب خانے کی تباہی کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کتب خانے کو نذرِ آتش کرنے والے خود عیسائی تھے۔(۲۲)

شبلی کا ایک اور دلچسپ تحقیقی مضمون ''ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر'' ہے۔ اس میں شبلی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مسلمان جب ہندوستان آئے تو وہ اپنے ساتھ اعلیٰ تہذیب بھی لے کر آئے اور انہوں نے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو نمایاں ترقی دی۔ انہوں نے مختلف تاریخی کتب آئین اکبری اور

تزک جہانگیری سے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں علوم وفنون کو ترقی دینے میں کتنا اہم کردار ادا کیا ہے اور حواشی میں مختلف امور کی تفصیل بھی دی ہے۔ شبلی زوال پذیر و زوال آمادہ مسلمانوں کو عظیم الشان ماضی کا چہرہ دکھانا چاہتے تھے، اس سلسلے کا ایک اور تاریخی و تحقیقی مقالہ ''مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم'' ہے، یہ ایک وسیع مضمون ہے۔ اس میں شبلی نے صرف دو نکات پر بحث کی ہے کہ:

''(۱) مسلمانوں نے علوم وفنون کس طرح حاصل کئے

(۲) دنیا کی تمام قوموں کو ان علوم کی کیونکر تعلیم دی''۔(۲۳)

اس مقالے کو لکھنے کیلئے شبلی نے تاریخ کی کئی کتب سے رجوع کیا، ان کے حوالے دیئے اور صفحات نمبر بھی درج کئے ہیں اور فقہ، علم کلام، علم الدرایۃ، علم نحو میں مسلمانوں کی مہارت کا ذکر کیا ہے اور مسلمانوں نے مختلف ادوار میں علوم وفنون کو جو ترقی دی، ان کا بیان بھی ہے۔ شبلی نے ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر'' میں اورنگ زیب اور اس کے بھائیوں کے تعلقات کے سلسلے میں جس تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر ہندوستان کا آخری عظیم الشان بادشاہ تھا، اسی لئے انگریز مؤرخین نے اس بادشاہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس پر مختلف الزامات لگا کر اس کی قدر و منزلت گھٹانے کے درپے رہے۔ شبلی نے اس طرف بھی توجہ کی۔ ۱۹۰۹ء میں ''اورنگ زیب پر ایک نظر'' لکھ کر دلائل کے ساتھ اورنگ زیب پر لگنے والے الزامات کے جوابات دیئے۔ ''شبلی نے اس بات کو مفصل بحثوں سے ثابت کیا ہے کہ مغربی مؤرخین کس طرح واقعے کی اصل شکل بدل کر اسے اپنے مطلب کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں۔(۲۴)

شبلی کی سوانح عمریاں ہوں یا مقالات، ان میں محققانہ انداز پوری آب و تاب سے کارفرما ملتا ہے۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں میں سے شبلی بحیثیت محقق سب سے نمایاں اور بلند مقام رکھتے ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں، اسے پہلے تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آنے والے ناقدین و محققین ان کی تحقیق پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ بقول مہدی افادی ''ان کے سخت سے سخت حریف مقابل بھی ان کی تحقیقات کی گرد کو نہیں پہنچتے''۔(۲۵)

حوالہ جات:

۱۔ عبدالقیوم۔ حالی کی اردو نثرنگاری۔ (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴ء)، ص۴

۲۔ ایضاً، ص۱۹

۳۔ عبداللہ، سید۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ۔ طبع سوم، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء)، ص۸۰

۴۔ وقارعظیم، اختر۔ شبلی بحیثیت مورخ ۔(لاہور: تصنیفات، ۱۹۶۸ء)،ص۷۳
۵۔ عبداللہ، سید۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، ص،۱۶۴
۶۔ شبلی نعمانی، مولانا۔ المامون۔ (دہلی: قومی پریس، ۱۸۸۹ء)، ص ۱
۷۔ ایضاً، ص ۱
۸۔ عثمانی، محمد واصل۔ مرتب۔ شبلی ادیبوں کی نظر میں۔ (کراچی: صفیہ اکیڈمی، ۱۹۶۸ء)، ص۳۸
۹۔ افادی، مہدی ۔ افاداتِ مہدی ۔س۔ن، ص۴۴
۱۰۔ احمد، مفتون ۔ مولانا شبلی ایک مطالعہ۔ (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۶ء)، ص۴۸
۱۱۔ وقارعظیم، اختر۔ شبلی بحیثیت مورخ ، ص۱۱۲
۱۲۔ ایضاً، ص۱۲۱
۱۳۔ عثمانی، محمد واصل۔ مرتب۔ شبلی ادیبوں کی نظر میں، ص۲۹
۱۴۔ عبداللہ، سید۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، ص۱۳۶
۱۵۔ وقارعظیم، اختر۔ شبلی بحیثیت مورخ ، ص۱۲۹
۱۶۔ عبداللہ، سید۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، ص۱۳۶
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۱۸۔ شبلی نعمانی، مولانا۔ سیرۃ النبیؐ۔ ج ۱، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، ۱۹۹۱ء)، ص۲۲
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۵
۲۰۔ وقارعظیم، اختر۔ شبلی بحیثیت مورخ ، ص ۱۴۵
۲۱۔ عبداللہ، سید۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، ص۱۴۱
۲۲۔ وقارعظیم، اختر۔ شبلی بحیثیت مورخ، ص۶۳
۲۳۔ اُردو اکیڈمی سندھ۔ مرتب۔ انتخاب مقالاتِ شبلی ۔ (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۰ء)، ص ۶۵
۲۴۔ وقارعظیم، اختر۔ شبلی بحیثیت مورخ ، ص ۱۳۷
۲۵۔ افادی، مہدی ۔ افاداتِ مہدی، ص۱۰۵

ماٰخذ:

۱۔ احمد، مفتون۔ مولانا شبلی ایک مطالعہ۔ کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۶ء۔

۲۔ شبلی نعمانی، مولانا۔ المامون۔ دہلی: قومی پریس، ۱۸۸۹ء۔

۳۔ شبلی نعمانی، مولانا۔ سیرۃ النبیؐ۔ج ۱، لاہور: الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، ۱۹۹۱ء۔

۴۔ عبدالقیوم۔ حالی کی اردو نثرنگاری۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴ء۔

۵۔ عبداللہ، سید۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ۔ طبع سوم، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء۔

۶۔ عثمانی، محمد واصل۔ مرتب۔ شبلی ادیبوں کی نظر میں۔ کراچی: صفیہ اکیڈمی، ۱۹۶۸ء۔

۷۔ وقار عظیم، اختر۔ شبلی بحیثیت مورخ۔ لاہور: تصنیفات، ۱۹۶۸ء۔

☆☆☆